# کشور ناہید کی آپ بیتی ''شناسائیاں رسوائیاں'' میں سیاسی وسماجی صورتِ حال کا جائزہ

عرفان توحید ☆
Irfan Tauheed
ڈاکٹر پروین اختر کلّو ☆☆
Dr. Parveen Akhtar Kallu

**Abstract:**

''Kishwar Naheed has been a poetess for artistic excellence and intellectual curiosity. In the article under consideration, the writer has coded social and political situation in her autobiography. The approach is research oriented. Moreover, this study has examined Kishwar Naheed's autobiography ''Shnasayian Ruswayian'' in the light of her art and the way she generally takes up her subjects. The author has been objective and balanced in this regard. A conscious effort has been made not only to analyze the work but also to offer a window to admirers of Kishwar Naheed, the woman and the artist, to have their measure of the woman and her work in question.''

اُردو ادب کی نامور شاعرہ، کالم نگار اور ترجمہ نگار کشور ناہید کی تحریر کردہ دوسری آپ بیتی ''شناسائیاں رسوائیاں'' ہے۔ یہ آپ بیتی ۳۵/ابواب میں منقسم، ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ۲۰۰۸ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ مصنفہ آپ بیتی کے پہلے باب میں اس دور کی سماجی صورت حال، رکھ رکھاؤ اور شاعری میں ان کے استاد صوفی تبسم کے طرزِ عمل کے بارے میں تفصیل سے بیان کرتی ہیں۔

اُردو ادب کے معروف شاعر صوفی تبسم کے بارے میں مصنفہ لکھتی ہیں کہ انہوں نے صوفی صاحب

☆ پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبۂ اُردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

سے شاعری کے اصول وضوابط سیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ مصنفہ نے اس کا اظہار اپنی آپ بیتی میں کئی مقامات پر کیا ہے۔ صوفی صاحب چونکہ ان کے محلے دار تھے۔ اس لیے کشور ناہید ان سے اپنی شاعری پر اصلاح لیا کرتی تھیں۔ مصنفہ صوفی تبسم کے بارے میں مزید بیان کرتی ہیں کہ ان کی بیوی فوت ہو چکی تھیں۔ ان کے گھر میں دو بیوہ بہنوں، ایک بھائی کی اولاد کے ساتھ ساتھ ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی رہائش پذیر تھے۔

پہلے باب میں بیان کردہ اپنی یادوں کو سمیٹتے ہوئے لکھتی ہیں کہ زمانہ طالب علمی میں اچانک ان کی پسند کی شادی یوسف کامران کے ساتھ ہو گئی۔ شادی کے بعد ان کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان مصائب کے دوران صوفی تبسم کے مشفقانہ رویے کا بھی مصنفہ نے اظہار کیا ہے۔ کشور ناہید اس دور کی سماجی صورت حال کے بارے میں لکھتی ہیں:

> ''اتوار کی دوپہر کو اکثر ٹب میں بیئر کی بوتلیں لگا دی جاتیں۔ دوست آتے جاتے، بیئر کی بوتل اُٹھاتے، چاہتے تو گلاس میں ورنہ بوتل ہی سے پینا شروع کرتے۔ فلسفہ، ادب، ابن عربی، سوویٹ روس، کوہ قاف، گویا ہر دفعہ ایک موضوع ہوتا، جس پر سب لوگ بے تکلفی سے بحث کرتے۔ اڑھائی تین بجے کے قریب گرم گرم قیمے والے نان، چاچا جی کی دکان سے لگ کر آنے شروع ہوتے، دہی کا کونڈا سامنے ہوتا۔ جس کا جتنا جی کرتا کھاتا اور پھر شام پڑے یہ نشست تمام ہوتی۔
>
> بھٹو صاحب کی دین اور ضیاء الحق کی توفیق کے باعث اب تو ایڈلجی کی دکان بند ہو گئی تھی۔ ریگل اور چھاؤنی کی دکانوں پر بھی تالے پڑ گئے تھے اور کوئی دین کا متوالا، صوفی صاحب کے گھر کے باہر لکھ گیا تھا ''شرابیوں، زانیوں کو پھانسی دو''۔۔۔ ملک میں بدترین آمریت تھی۔''(۱)

درج بالا اقتباس میں کشور ناہید نے اپنے دور کی سماجی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے ادبی محافل میں شراب نوشی کا استعمال اور ضیاء الحق کی آمریت کے دور کا تذکرہ کیا ہے۔ بھٹو کے دورِ حکومت میں شراب پر پابندی نہ ہونے کے برابر تھی لیکن جیسے ہی ضیاء الحق کے دورِ حکومت کا آغاز ہوا شراب کی دکانیں بند اور بہت سے شراب کے لائسنس منسوخ کر دیئے گئے تھے۔

کشور ناہید نے پاکستان کی سیاسی صورت حال کو بیان کرنے کے لیے ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں ادیب حضرات خصوصاً احمد فراز کے خلاف فوج کی کارروائی کے بارے میں لکھا ہے:

> ''ابھی بھٹو صاحب نے فوج کو کچھ زیادہ اختیارات دینے شروع کیے تھے کہ فراز کو تاؤ آ گیا۔ اس نے فوج کے خلاف نظم لکھ دی۔ معتوب بھی ایسے ہوئے کہ پندرہ دن تک خبر نہ ہوئی کہ کہاں ہے۔ سیف الدین سیف اور میں نے ہیپس کارمیں درخواست دائر کی۔ جسٹس

ظلہ کی عدالت نے حکم دیا فوج کو کہ فوراً فراز کو پیش کیا جائے (عدالتوں کے ایسے زمانے بھی تھے) ہمیں راز داری سے پیغام ملا کہ سارے ادیبوں کو اکٹھا کرو کہ کمرۂ عدالت میں جسٹس ظلہ نے حکم دیا کہ فراز کو فوری رہا کیا جائے مگر اب تو بھٹو صاحب ناراض تھے کہ ایک طرف پی این اے والے میرے خون کے پیاسے ہیں دوسری طرف میرے اپنے ایسی نظمیں لکھ کر مجھے بھڑکا رہے ہیں۔۔۔احمد فراز کو کراچی میں یہی نظم پڑھنے پر سندھ بدری کے پیغامات رات گئے ملے۔ چند دنوں میں اسلام آباد آ کر اور فوج کے اقتدار سے تنگ آ کر، فراز نے لندن کی راہ لی۔ وہاں اس کا بھائی رہتا تھا۔ اس عرصے میں بہت لوگوں نے اس کی بیوی ریحانہ کو تنگ کرنے کی کوشش کی مگر وہ خاتون ثابت قدم اور خاموش سب کچھ سنتی اور دیکھتی رہی۔‘‘(۲)

فوج کے خلاف نظم لکھنے پر احمد فراز زیرِ عتاب رہے۔ انہی عوامل سے دل برداشتہ ہو کر آپ نے رختِ سفر باندھا اور اپنے بھائی کے پاس لندن میں قیام پذیر ہو گئے۔ مصنفہ احمد فراز کے بارے میں بتاتی ہیں کہ وہ عاشق مزاج قسم کے شاعر تھے اور ہمیشہ دل کی بات کو منہ پر کہہ دیتے تھے، چاہے دوستی کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

آپ بیتی میں مصنفہ نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں پاکستان کی سیاسی صورت حال کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کشور ناہید آپ بیتی میں لکھتی ہیں:

’’۱۹۶۴ء ایک بڑا موڑ تھا۔ حبیب جالب اور پاکستان کی سیاست کا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے صدارت کا الیکشن لڑنے کا اعلان کیا۔ ایک دم مولوی بھی جاگ گئے اور کمال یہ ہے کہ انہوں نے فاطمہ جناح یعنی ایک خاتون کے صدر بننے کی حمایت کی۔ ادھر پہلی دفعہ مہنگائی نے سر اُٹھایا۔ جالب نے نظم لکھی ’’بیس روپے من آٹا، صدر ایوب زندہ باد‘‘ پاکستان بھر میں تو اس نظم نے شعلگی پیدا کر دی۔ ہر شخص چاہے خیبر میں تھا کہ بنگال میں، یہی نظم پڑھ رہا تھا۔ اب فیصلہ ہوا کہ فاطمہ جناح کی الیکشن کمپین میں فاطمہ جناح کی تقریر سے پہلے جالب صاحب اپنی نظم سنائیں گے۔۔۔ تو پھر یوں ہوا محترمہ فاطمہ جناح کو باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہروا دیا گیا۔‘‘(۳)

قائداعظم کی وفات کے بعد محترمہ فاطمہ جناح عملی سیاست سے دور ہو گئی تھیں اور جنرل ایوب خان کے مدمقابل انتخابات میں حصہ لینے کا بھی کوئی ارادہ نہ تھا۔ چونکہ محترمہ فاطمہ جناح بہت متوازن اور انصاف پسند خاتون تھیں اس لیے وہ انتخابات کے جھمیلے سے حتی المقدور دور رہنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ حزبِ مخالف کی سیاسی جماعتوں اور مختلف سیاسی رہنماؤں میں مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کے الیکشن میں کھڑے نہ ہونے کے فیصلے سے بہت مایوسی کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک عام تاثر یہ پیدا کیا گیا کہ شاید

جنرل ایوب خان اوران کے ساتھویں نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے ان کو انتخابات میں حصہ لینے سے روکا ہے لیکن بعد میں مولانا بھاشانی کے کہنے پر محترمہ نے الیکشن میں کھڑے ہونے کی حامی بھر لی تھی۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ سوچی سمجھی حکمت عملی سے مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کو ہروا دیا گیا تھا۔کشور ناہید آپ بیتی میں ذوالفقار علی بھٹو کے سیاسی کردار کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''بھٹو کی ذہانت اور دیانت کی بات آج تک ہوتی ہے۔ وہ شخص جس کے پھانسی چڑھنے پہ لکھنؤ سے لے کر لندن تک لوگ رو رہے تھے۔اس نے کیا کیا طریقے اختیار کیے تھے۔ عام آدمی کے دل پر راج کرنے کے۔اس نے کرتہ پاجامے کو عوامی سوٹ ایسا بنایا کہ آج تک ہر غریب سے امیر کرتہ شلوار پہننے کو اپنے لیے فخر کا نشان سمجھتا ہے۔ بہت لوگوں نے جو کروفر والے تھے،سوٹ بوٹ والے تھے کہا تھا کہ یہ کیا نائٹ سوٹ میں پہنے جانے والا کرتہ شلوار کو اس شخص نے دفتروں میں پہننے والا لباس بنا دیا ہے۔بھٹو صاحب نے حماقتیں بھی کیں۔ اپنے سارے وزیروں کے لیے بینڈ باجوں والا یونیفارم بنوا دیا۔ بلوچستان کی حکومت کو بلاوجہ ختم کر دیا۔ ولی خان جیسے لیڈر پہ مقدمے چلائے، خیر سے ان کے بعد بھی یعنی بےنظیر کے دور میں ولی خاں صاحب کے ساتھ زیادتیاں کی گئیں۔ بھٹو صاحب اپنی ہی پارٹی کے سینئر ممبران کو بلا کر، دوسرے ممبران کے سامنے اس طرح بے عزتی کرتے تھے کہ لوگ پارٹیاں بدلنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔''(۴)

آپ بیتی میں مصنفہ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکمرانی کی سیاسی صورت حال کا جائزہ پیش کرتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ ان کی ذہانت اور دیانت کا اقرار ہر دور کے سیاست دان کرتے ہیں لیکن ذوالفقار علی بھٹو کی چند سیاسی حکمت عملیوں کی وجہ سے انہیں نقصان بھی اُٹھانا پڑا تھا۔

مصنفہ آپ بیتی میں جنرل ایوب خان کے خلاف چلنے والی تحریک کی سیاسی صورت حال کو واضح کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''اس دوران ایوب خان کے خلاف تحریک چلی۔ پہلی تحریک تو محترمہ فاطمہ جناح کے صدارتی الیکشن لڑنے کے باعث چلی۔ یہ بھی عورتوں، مردوں کی نامساوی حیثیت کے حوالے سے نہیں تھی۔ یہ تو آمریت کے خلاف تھی اور لطف کی بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی بھی فاطمہ جناح کی حمایت کر رہی تھی۔۔۔ فاطمہ جناح کو شکست دلوائی گئی۔ ایوب خان نے اپنے فیلڈ مارشل ہونے کی تقریر کرنی تھی۔ وہ تقریر بھی ادھر الطاف گوہر لکھتے جا رہے تھے۔ادھر میں ترجمہ کرتی جا رہی تھی۔تقریر تیار ہوئی۔ گورنر ہاؤس میں مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ باہر بہت آنسو گیس پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھاہ ٹھاہ کی آوازیں سن کر میں نے گوہر صاحب سے کہا ''باہر کی حالت ذرا بتایئے تو فیلڈ مارشل صاحب کو۔'' گوہر صاحب اچانک غصے میں

بولے ''تم خود کو حلقہ ارباب ذوق تک محدود رکھو۔'' میں چپ ہو گئی۔ جس زمانے میں قید سے رہا ہوئے۔ داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ ایئرپورٹ پر ملاقات ہوئی۔ بولے ''کیا حال ہے ملک کا۔'' میں نے جھٹ سے کہا ''مجھے تو بس حلقہ ارباب ذوق کا حال معلوم ہے۔'' انہیں شاید فقرے کی چبھن یاد آ گئی۔ مسکرا کر آگے کو چل پڑے۔ ابھی بھی عورت مرد کا کوئی فرق موجود نہیں تھا۔''(۵)

کشور ناہید آپ بیتی کے درج بالا اقتباس میں جنرل ایوب خاں کی حکومت کے آخری دور کے سیاسی منظرنامے کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ جماعت اسلامی نے بھی اصولی طور پر ایک عورت کی حکمرانی کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے بالآخر مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا۔

خواتین کے حقوق کے حوالے سے مصنفہ نے لکھا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں خواتین کے لیے بھی ۲۰ نشستیں مخصوص کر دی گئی تھیں اور تمام محکمہ جات کو خواتین کو ملازمتوں میں اور بڑے عہدوں پر لانے کی تاکید کی گئی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد کی سیاسی وسماجی صورت حال کے بارے میں مصنفہ رقم طراز ہیں:

''خیر سے بھٹو صاحب کی پھانسی اور عورتوں کے بارے میں حدود آرڈیننس آگے پیچھے آئے۔ پتہ چلا کہ جیلیں عورتوں سے بھر گئیں کہ کسی نے اپنی ماں کو، کسی نے بیوی کو اور کسی نے بہن کو زنا کے نام پر اندر کرایا۔ جائیداد پر قبضہ کیا، آزاد زندگی گزاری۔۔۔ بس پھر کیا تھا۔ ایک کے بعد ایک قانون آنے شروع ہوئے، حدود آرڈیننس کے بعد قانونِ شہادت آیا کہ عورت کو مارو تو ۵۰ ہزار روپے اور مرد کو مارو تو دیت ایک لاکھ روپے ہوگی۔ اس کے بعد قصاص اور دیت قانون آ گیا۔ پھر قانون شریعت آ گیا۔ ضیاء الحق نے اپنی وداعیت سے پہلے آٹھویں ترمیم کے ذریعہ اپنے لائے ہوئے سارے قوانین کو مجلس شوریٰ کے ذریعہ قانونی حیثیت دلوائی۔''(۶)

کشور ناہید نے جنرل ضیاء الحق کی آمریت کے دور کی سیاسی وسماجی صورت حال کو بڑے اختصار سے بیان کیا ہے کہ کس طرح حدود آرڈیننس کے بعد قانون شہادت لاگو کیا گیا اور قصاص اور دیت کے قوانین وضع کیے گئے۔ ان قوانین کے بعد شریعت کا قانون نافذ کیا گیا اور ساتھ ہی جنرل ضیاء الحق نے مجلس شوریٰ کے ذریعے ان قوانین کو آٹھویں ترمیم کر کے لاگو بھی کروا دیا گیا۔

آپ بیتی میں کشور ناہید اٹھائیسویں باب بعنوان ''عورتوں کی مسافت'' میں خواتین کی سماجی صورت حال کا نقشہ کھینچنے کے ساتھ خواتین کی نمائندگی کے مسئلہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''عورتوں کی نمائندگی کا مسئلہ ۱۹۷۳ء میں شروع ہوا تھا۔ جب اقوام متحدہ کا جائزہ شائع ہوا کہ ان کے دفتر میں 3.0 فیصد خواتین کام کرتی تھیں۔ فیصلہ ہوا کہ اس شرح کو معتد بہ حد تک

بڑھایا جائے اور دنیا بھر کو ترغیب دی جائے کہ عورتوں کی ملازمت کی شرح اور فیصلہ کن حیثیت میں اضافہ کیا جائے۔ ۱۹۷۵ء میں عورتوں کے دس سالہ جشن کا آغاز دنیا بھر میں ہوا۔ میں نے ایسٹ برلن میں ۱۹۷۴ء میں کانفرنس کی ایجنڈا میٹنگ میں شرکت کی اور پھر ۱۹۷۵ء میں ماسکو کی کانفرنس میں کہ مغربی ملکوں کی کانفرنس میکسیکو میں ہوئی تھی۔ ۱۹۸۵ء میں نیروبی کانفرنس میں ویف کا جو وفد لاہور سے نگہت سعید خاں کی سربراہی میں گیا اس میں مَیں بھی شامل تھی۔ ہر چند ۱۹۸۴ء میں افتخار نسیم کے توسط گے۔ لوگوں کے بارے میں کافی معلومات ملی تھیں۔ اڈرین رچ کے ذریعہ سے لزبین کا پتہ چلا تھا مگر جب گروپ اور مجمع کی صورت حال میں جھنڈا اُٹھائے ڈھیر ساری لزبین دیکھیں، ان کو اجلاس کے دوران اپنے لزبین ہونے پر فخر کرتے اور پورے ہال کو تالیاں بجاتے، پاکستانی وفد کی عورتوں کو گرم جوشی سے حصہ لیتے ہوئے دیکھا تو عورتوں کی آزادی کے ایک نئے رخ سے نقاب اُٹھی۔'' (۷)

مصنفہ نے آپ بیتی میں طاقت ور مردوں کے معاشرے میں بے بس، لاچار اور حقوق کی ماری خواتین کی تصویر کشی کی ہے۔ اپنے بارے میں کہتی ہیں کہ انہوں نے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں خواتین کے بارے میں لکھنے کا عملی طور پر آغاز کیا۔ آپ بیتی میں اس بارے میں رقم طراز ہیں:

''این۔ جی۔ اوز کو مغرب زدہ کہہ کر، اپنی برقعہ زدہ عورتوں کو مساوی تعداد میں باہر نکال رہے تھے۔ حکومتیں بھی خوب چوہے بلی کا کھیل کھیل رہی تھیں۔ جب جی چاہا، جس کا جی چاہا، جس کو چاہا، مشورے یا فیصلہ سازی میں شریک کر لیا اور ہماری عورتوں کی این جی اوز نے بھی کمال ہنر مندی سے عورتوں کو سیاست میں لانے کی کہیں دکانداری کی تو کہیں غیرت کے نام پہ تل پہ واویلا کیا۔ بہرصورت یہ عورتوں کا شور وغوغا تھا اور ہے کہ اقوام متحدہ سے لے کر آمریت تک میں یہ غلغلہ اُٹھایا جاتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کے قوانین تیار ہو رہے ہیں۔ وہ اسمبلیاں جو اپنے لیے مراعات کے معاملے میں حزب مخالف یا موافق کا تردد چھوڑ کر ایک ہو جاتی ہیں۔ وہی اسمبلیاں عورتوں کے حقوق کے معاملے میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔'' (۸)

مصنفہ چونکہ خاتون ہیں اس لیے ان کا زاویہ نظر مردوں سے بالکل مختلف ہے۔ وہ زندگی کے حقائق کو ایک خاتون کی نظر سے دیکھ کر ضبط تحریر میں لاتی ہیں۔ آپ بیتی میں انہوں نے خواتین کی مخصوص معاشرتی اور سماجی سوچ کو بیان کیا ہے۔ آپ بیتی میں مصنفہ ''امن کی تحریک'' کے بارے میں لکھتی ہیں:

''عورت ہی سے منسلک دوسری تحریک جس نے تقویت پکڑی، وہ تھی امن کی تحریک۔ لوگ ایٹم بم بنانے پہ خوش تھے۔ عورتیں اور دانشور کہہ رہے تھے کہ جتنے میں ایٹم بم بنتا ہے اتنے میں تو لاکھوں سکول کھولے جاسکتے ہیں۔ ''امن ملے میرے بچوں کو پانی صاف ملے۔'' یہ دعا احمد مشتاق نے ۱۹۷۰ء میں، بھٹو صاحب کی تحریک کے زمانے میں لکھی تھی۔ آج تک ہم

لوگ یہی دعا کر رہے ہیں، عورتیں ہیں کہ وزیر بن رہی ہیں۔ ملٹی میڈیا پریذینٹیشن کر رہی ہیں مگر عورت عام عورت، پہلے سے بھی زیادہ زخم خوردہ اور جنس خوردہ ہو چکی ہے۔''(۹)

مشرق کے جاگیردارانہ مزاج اور طرزِ حیات میں خواتین کو بھی ہمیشہ سے جاگیر ہی سمجھا جاتا رہا ہے۔ خواتین کو ان کے بہت سے جائز حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک حقوق کی محرومی نے خواتین کو احساسِ کمتری کا شکار ہی بنائے رکھا ہے۔

کشور ناہید اپنی آپ بیتی میں ایک باب بعنوان ''اسلام آباد کا منظر نامہ'' میں دارالحکومت میں بیتے بارہ سالوں کا احوال مختصر انداز میں بیان کرتی ہیں کہ اسلام آباد کے شہر نے بہت سے سیاسی حکمرانوں کے عروج و زوال دیکھے ہیں، یہاں سیاسی اکابرین سے لے کر بڑے بڑے آمریت پسند جرنیلوں کی داستانیں بھی ملتی ہیں۔ اسلام آباد کی سماجی زندگی کی صورت حال کے بارے میں مصنفہ لکھتی ہیں:

''اسلام آباد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس جگہ سے ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے سے پاکستان شروع ہوتا ہے۔ اسلام آباد میں اب تو دوسرے لوگ بھی آباد ہیں مگر زیادہ تر سرکاری ملازم وہ ہیں جو ایک کوارٹر الاٹ کراتے ہیں۔ ایک کمرے میں خود رہتے ہیں، باقی دو کمرے کرائے پر اُٹھا دیتے ہیں۔ صبح کو دفتروں میں نوکری کرتے ہیں، شام کو ریہڑی لگاتے یا کسی دکان میں نوکری کرتے ہیں اور اعلیٰ افسر اپنا گھر بنا کر کرائے پر اُٹھا دیتے ہیں اور خود سرکاری گھر میں ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اس وقت تک رہتے ہیں جب تک پولیس آن کر سامان باہر اُٹھا کر نہیں پھینک دیتی۔''(۱۰)

آپ بیتی کے اس باب میں مصنفہ نے اسلام آباد کی سیاسی و سماجی صورت حال کو واضح کرنے کے لیے بہت سی مثالوں کو پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر ان کا کہنا ہے کہ اسلام آباد میں رشوت کی بجائے اس دور میں تحائف لیے جاتے تھے چاہے وہ کوئی پلاٹ کی صورت میں ہو یا کسی کے بنک اکاؤنٹ میں پیسے جمع کروانے ہوں۔ اسلام آباد کی ادبی، سیاسی اور سماجی صورت حال کے بارے میں لکھتی ہیں:

''اسلام آباد میں ایک فرقہ صدارتیہ ہے۔ ایک فرقہ تقریریہ ہے۔ ایک فرقہ جلسیہ ہے۔ کچھ لوگ جلسے میں آتے ہیں اگر ان کی صدارت ہو، کوئی تخصیص نہیں کہ علمی جلسہ ہے کہ مذہبی۔ فرقہ تقریریہ میں، وزیروں، صدر، وزیراعظم کی تقریریں لکھنے والے لوگ ہیں۔ یہ لوگ Cut & Paste کر کے، ایک گھنٹے میں نئی تقریر تیار کر لیتے ہیں۔ ہر زمانے میں یہ لوگ اِن رہتے ہیں۔ اب صدر بھی میسر ہے، تقریر بھی لکھی ہوئی حاضر ہے تو کوئی جلسہ کرانے والے بھی تو چاہیے۔ ادبی سماجی شعبوں میں یہ شعبدہ باز، بڑی آسانی سے میسر آجاتے ہیں۔ کچھ مال آپ لگائیں اور کچھ کا انتظام ہو ہی جاتا ہے۔ آخر ایجنسیوں کو بھی تو خدمت کرنی ہوتی ہے۔ ہم نے ایجنسیوں کے لوگوں کو رات کے ایک بجے، کرسیاں

لگاتے، پریس کانفرنس کرواتے اور پیپلز پارٹی کے ٹکڑے کرواتے دیکھا ہے۔ ہم نے تیز طراز صحافیوں کی ٹھکائی کرتے اور بلوچستان میں نوجوانوں کو غائب کراتے ہوئے دیکھا ہے۔''(۱۱)

درج بالا اقتباس میں مصنفہ نے اسلام آباد کے موقع پرست لوگوں کے بارے میں بیان کیا ہے کہ ایسے لوگوں کا تعلق ادب، صحافت، سیاست اور سماج کے مختلف شعبہ جات سے ہوتا ہے۔ ملکی سیاسی صورتِ حال کے بدلتے تناظر میں مصنفہ نے خفیہ ایجنسیوں کے طرزِ عمل کو بھی مؤثر انداز میں تحریر کیا ہے۔

آپ بیتی میں جن نامور ادبی، صحافتی، مذہبی، سرکاری وغیر سرکاری، سیاسی اور سماجی شخصیات کا مصنفہ سے میل ملاپ رہا ان کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپ بیتی کے ابواب میں جن شخصیات کے بارے میں لکھا گیا ہے ان میں صوفی تبسم، فیض احمد فیضؔ، ایم اسلم، امتیاز علی تاج، عطااللہ شاہ بخاری، نور جہاں، شاکر علی، قرۃ العین حیدر، جمیلہ ہاشمی، انتظار حسین، احمد فراز، حبیب جالب، یوسف کامران، علی امام، افتخار عارف، نیاز احمد، ساقی فاروقی اور سید سبط حسن شامل ہیں۔ آپ بیتی ''شناسائیاں، رسوائیاں'' میں جہاں سیاسی وسماجی صورت حال کا بیان جا بجا ملتا ہے وہاں بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے آغاز کا ادبی منظر نامہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ آپ بیتی پاکستان کے سماج، سیاست سے جڑی اقدار اور ادبی ماحول کی بھرپور تصویر کشی کرتی ہے۔

# حوالہ جات


۱۔ کشور ناہید، شناسائیاں، رسوائیاں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۰

۲۔ ایضاً، ص: ۹۹۔۹۸

۳۔ ایضاً، ص: ۱۰۴

۴۔ ایضاً، ص: ۱۶۴

۵۔ ایضاً، ص: ۱۷۸

۶۔ ایضاً، ص: ۱۷۹

۷۔ ایضاً، ص: ۱۸۰

۸۔ ایضاً، ص: ۱۸۱

۹۔ ایضاً، ص: ۱۸۲۔۱۸۱

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۸۸

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۹۳